احمد حُسین
پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر (اردو)
وفاقی جامعہ اردو اسلام آباد۔

عبداللہ حُسین کا ناول اُداس نسلیں ایک تجزیہ

In order to capture the revolutionizing movement and show all aspects of historical, political,and social back ground, many novels, and stories were written by various writers. The tragic events past partition were captured and presented in fictionalform by Abdullah Hussainin his novel,UdasNaslen.He himself translated it in Englishby title The Weary Generation. He presented feudal lords' condition in villages. He showed the miserable condition and deterioration of the masses due to poverty in a soul touching manner. He also presented love and political debatesin his writing. A critical review of his UdasNaslen is present here.

اُداس نسلیں اُردو کے مقبول ناولوں میں سے ایک ناول ہے۔عبداللہ حُسین کا یہ ناول 1963ء میں منظر عام پر آیا اور ابھی تک مسلسل اشاعت میں رہنے والا ناول ہے ۔بنیادی طور پر یہ ناول تحریکِ آزادی کے تناظر میں لکھا گیا سماجی ناول ہے جس میں اس دور کے مزدوروں اور کسانوں کی اپنی حقوق کے لیے بیداری کو بھی سیاسی بیداری کے ساتھ ساتھ ضمناً شامل کیا گیا ہے۔اُداس نسلیں اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ ناول نگار نہ تو کسی ادبی پس منظر رکھنے والے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور نہ ہی وہ دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کا دعویٰ رکھتے تھے ۔وہ گُجرات کے دیہی علاقے کے رہنے والے ہیں اور تقسیم سے قبل بھی گُجرات میں رہتے تھے ۔اِنہیں ہجرت کا تجربہ بھی نہ ہوا بلکہ ناول میں ہجرت اور فسادات کے واقعات دوسرے یعنی شاہدین کے بیانات پر مشتمل ہیں۔ اُداس نسلیں'' ان کی پہلی تخلیق ہے۔ بعد میں اُنہوں نے کئی ناول لکھے جن میں اس ناول کی دوسری کڑی'' نادار لوگ'' کے نام سے لکھی۔اُداس نسلیں کا انگریزی ترجمہ خُود عبداللہ حُسین نے The Weary Generation کے نام سے کیا جو 1999ء میں لندن میں شائع ہوا۔

ناول کی بنت کسی حد تک سادہ پلاٹ پر رکھی گئی ہے ۔بنیادی طور پر یہ ناول انگریزوں کے برِصغیر پر مکمل قابض ہو جانے کے بعد تخلیق ہونے والے اُس نئے جاگیر دارانہ معاشرے کی ذہنی کشمکش کی روداد ہے جس کا کام انگریزوں کے لیے مخلوط محفلوں اور شکار کے پروگرام بنا کر تفریح کے مواقع پیدا کرنا تھا۔تقسیم ہندوستان کو ناول کا مرکزی موضوع بنا کر نعیم اور عذرا کے مرکزی کردار تخلیق کیے گئے ہیں اور اِنہی دو کرداروں کی 1913ء میں دعوت میں ہونے والی ملاقات سے شروع ہوکر اِن کی شادی اور شادی کے بعد کی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔نعیم کے سوتیلے بھائی علی اور عائشہ کی کہانی بھی شامل ہے۔اِن ہی دو جوڑوں کو لے کر داستانی انداز میں نہ صرف برِصغیر بلکہ بیرونِ ملک تک واقعات کو ناول کا حصہ بنایا گیا ہے۔علی اور عائشہ یوں تو پورے ناول میں موجود رہتے ہیں لیکن

کہانی میں مرکزی حیثیت عذرااور نعیم کو ہی حاصل رہتی ہے۔ناول 49 ابواب پر مشتمل ہے ۔اِن 49 ابواب کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ برٹش انڈیا۔باب اول تا گیارہ

۲۔ ہندوستان باب بارہ تا اڑتیس

۳۔ بٹوارہ باب انتالیس تا سنتالیس

۴۔ باب اڑتالیس تاانچاس

اگر چہ'' آگ کا دریا'' کے وسیع کینوس کے مقابلے میں ''اُداس نسلیں'' چالیس سے پچاس سال کے عرصے پر محیط ہے لیکن اُردو ادب میں ناول کی روایت دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ حُسین نے سالوں پر محیط واقعات کو اکٹھا کر کے ایک اعلیٰ پائے کا ناول تخلیق کیا ہے۔ڈاکٹر ممتاز احمد خاں لکھتے ہیں۔

''یہ ناول تاریخ اور سیاست کو وسعت کے ساتھ سامنے لاتا ہے ،جس میں جنگیں،سیاسی مظاہرے،فوج اور پولیس کے ہاتھوں مظاہرین کا قتل ۔۔۔ فرقہ وارانہ فسادات ،انسانی جان ومال کی ارزانی ،بٹوارہ اور فلسفیانہ موشگافیاں ،کانگریس اور مسلم لیگ کی سرگرمیاں اور محبت کے تصوراتکی عملی اشکال سب مل کر اس ناول کو نا قابل فراموش بناتے ہیں۔''[۱]

نعیم اور علی کا تواتر سے مختلف شہروں اور علاقوں میں بار بار جانے سے یوں لگتا ہے کہ مصنف خود بھی نہیں جانتا کہ اُسے اگلے لمحے کہانی کو کس طرف لے کر جانا ہے۔ناول کا ہیرو نعیم کوئی سیاسی رہنما نہیں بلکہ اپنی بیوی (عذرا) کی خواہش پر جلیاں والا باغ کے سانحے پر سیاست میں حصہ لینے کا آغاز ہی کرتا ہے کہ اُسے انڈین نیشنل کانگریس کی اُس حادثے کی تحقیقات کرنے والی کمیٹی میں شامل کر لیا جاتا ہے۔نہ صرف وہ کمیٹی میں شامل ہے بلکہ اُس کی بیوی بھی تحقیقات میں اُس کے ساتھ شامل رہتی ہے ۔اسی طرح نعیم عدم تعاون کی تحریک کے سلسلے میں یک دم ہی پشاور چلا جاتا ہے۔بقول ڈاکٹر عبدالسلام:

''اس ناول میں بہت سےEpisoddesایسے ہیں جو پورے طور پر قصہ کا جزو نہیں

بن پائے اور پیوند کی طرح اوپر سے چپکائے نظر آتے ہیں۔''[۲]

ناول میں نعیم ،عذراایاز بیگ،روشن آغا،علی ،عائشہ،شیلا،نیاز بیگ کی دو بیویاں ،روشن آغا کی بیوی اور اُس کی بہن،پرویز ،نجمی،بلال اور مہندر سنگھ سمیت بہت سے کردار ہیں لیکن عذرا اور نعیم کے علاوہ عبداللہ حُسین کا کوئی کردار کھل کر سامنے نہ آسکا۔ بقول محمد خالداختر:

'' کاٹھ کے اُلو ہیں جو کاغذی صفحے سے اُبھر نہ سکے۔''[۳]

ناول کا ایک اہم کردار ناول کا ہیرو نعیم ہے جو ایک متلون مزاج شخص ہے۔ پورے ناول میں اپنے اعلیٰ مقاصد کے باوجود نفسیاتی کشمکش کا شکار نظر آتا ہے ۔ ابھی سنیئر کیمبرج کا طالب علم ہے کہ روشن آغا کی پارٹی میں سیاست سے دل چسپی کا اظہار ''تلک'' کے بارے میں گفتگو کر کے کرتا ہے۔عذرا سے محبت کا اظہار دوسری ہی ملاقات میں کر دیتا ہے اور سات آٹھ روز بعد سب کچھ بھول کر گاؤں چلا جاتا ہے۔نعیم برٹش آرمی میں بھرتی ہوکر انگریزوں کے لیے لڑنے کے لیے چلا جاتا ہے۔وکٹوریہ کراس جیت

کر واپس آتا ہے اور اچانک آزادی کے لیے تخریب کاروں کے ساتھ مل جاتا ہے ۔جلد ہی اُن سے اُکتا کر گاؤں آ جاتا ہے۔ عذرا سے شادی کر کے وہ اسی گاؤں میں رہنے کے باوجود اپنی سگی و سوتیلی ماں کو بالکل بھلا دیتا ہے۔بار بار وہ عذرا سے بے رُخی کا اظہار کرتا ہے۔اعلیٰ رکھ رکھاؤ،حب الوطنی اور آزادی کے بلند نظریات کے باوجود وہ جنس کے معاملے میں انتہائی پست رویے کا اظہار کرتا ہے۔نعیم ''سورج'' جیسے اعلیٰ نظریے کو اپنانے کے باوجود شیلا کو صرف جنسی تسکین کا ذریعہ بناتا ہے۔جب وہ اس کے ساتھ آنا چاہتی ہے تو نعیم اس کو دھتکار دیتا ہے ۔اسے عذرا جیسی محبت کرنے والی بیوی میں زندگی کی حرارت نظر نہیں آتی بلکہ وہ عذرا کی بہت کم عمر بہن سے اظہارِ محبت کرتا ہے۔ وہ ناول میں جا بجا فلسفہ بکھیرتا نظر آتا ہے ۔ اپنی خود ساختہ خودداری کے باوجود وہ سرکاری ملازمت قبول کر کے عذرا کے باپ کے گھر میں رہائش اختیار کر لیتا ہے ۔غرض نعیم ایک ایسا کردار ہے جو انتہائی متلون مزاج واقع ہوا ہے۔ عبداللہ حسین ناول اس کے لڑکپن سے شروع کرنے کے باوجود یہ واضح نہ کر سکے کہ وہ کیونکر اس کمیٹی میں شامل ہوا جو کانگریس نے جلیاں والا باغ کے سانحے کی انکوائری کے سلسلے میں قائم کی تھی ۔وہ پشاور میں سیاسی سرگرمیوں کے لیے کیسے منتخب ہوا اور کانگریس کی حمایت چھوڑ کر کب اُس نے مسلم لیگ میں شامل ہونے کا اعلان کیا ۔غرض نعیم کو اِدھر اُدھر گھما پھرا کر بہت سے واقعات کو ناول کا حصہ بنا دیا گیا۔تقسیم ہند کے اعلان کے بعد فسادات شروع ہوتے ہیں تو وہ پاگل پن کا مظاہرہ شروع کر دیتا ہے اور ننگے پاؤں اپنے دفتری ساتھی انیس الرحمٰن کے گھر چلا جاتا ہے جس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی ۔دوبارہ گھر آ جاتا ہے لیکن نواب روشن اور اُن کے خاندان کے ساتھ پاکستان جانے سے انکار کر دیتا ہے اور پاکستان جانے والے ایک قافلے میں شامل ہو جاتا ہے۔قافلے میں شمولیت کے بعد اس کا رویہ نفسیاتی مریض کا سا ہو جاتا ہے ۔آخر کار وہ امرتسر کے قریب اپنے پاگل پن کی وجہ سے بلوائیوں کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔

ناول میں ایک اور اہم کردار عذرا کا ہے ۔وہ ایک ایسی عورت کے روپ میں سامنے آتی ہے جو اپنی پہلی نظر کی محبت کو ہر حال میں نبھانا چاہتی ہے ۔اپنے خاندان کی بھرپور مخالفت کے باوجود اپنے خاندانی پس منظر سے کمتر خاندان کے نعیم کے ساتھ شادی کرنے کے لیے اپنے خاندان کو مجبور کر دیتی ہے۔ حالانکہ نعیم ایسا شخص ہے جو ابتدائی چند ملاقاتوں کے بعد اپنی تعلیم اُدھوری چھوڑ کر گاؤں چلا جاتا ہے اور کئی سال تک عذرا سے ملاقات نہیں کرتا بلکہ یوں محسوس ہوتا کہ وہ عذرا اور اُس کی محبت کو یکسر فراموش کر چکا ہے۔اس اثنا میں وہ برٹش فوج میں بھرتی ہو کر افریقہ اور یورپ میں جنگوں میں حصہ لیتا ہے اور ایک بازو گنوا کر گاؤں واپس آتا ہے ۔عذرا محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس کی معذوری اور خاندانی مخالفت کے باوجود اس سے شادی کے لیے اپنے والد روشن آغا کو راضی کر لیتی ہے اور دہلی کو چھوڑ کر نعیم کے ساتھ گاؤں چلی جاتی ہے ۔گاؤں میں وہ اسے نواب روشن کی کوٹھی میں رہنے پر مجبور کر دیتی ہے ۔اس کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہے۔امرتسر کا دورہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ جاتی ہے ۔وہ نازو نعم میں پلی ہوئی ایک نواب خاندان کی بیٹی ہے لیکن نعیم کے سیاسی کردار کو مضبوط کرنے کے لیے وہ اُس کے ساتھ دیہاتی کسانوں کو بیدار کرنے کے لیے دورے کرتی ہے ۔نعیم جیل میں چلا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ اُس کے انتظار میں رہتی ہے ۔جیل میں جا کر اس سے ملاقات کرتی ہے ۔وفا شعار بیوی کے روپ میں اپنی انفرادیت برقرار رکھتی ہے اس کے ساتھ ساتھ نعیم کے کردار کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے ۔اعلیٰ طبقے کی چکا چوند اس کی نظروں کو خیرہ کئے رکھتی ہے ۔وہ چاہتی ہے کہ وہ اور اس کا شوہر بہت معروف تو ہوں لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے اسے کوئی بڑی قربانی نہ دینی پڑے ۔جلسوں وغیرہ میں شمولیت ہی سے وہ مشہور و معروف سیاسی

رہنما بن جائے ۔پرنس آف ویلز کا استقبال اس کی شخصیت سے مرعوب ہوکر کرتی ہے ۔لیکن یہ بھی خواہش رکھتی ہے کہ پرنس آف ویلز کے آنے پر احتجاج کرنے والوں میں بھی اُن کا نام آئے۔سائمن کمیشن کی لکھنؤ آمد پر بھی وہ کم وبیش اسی طرح کا رویہ اپناتی ہے اور دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں بھی وہ آغا سوّم کی پُرکشش شخصیت سے متاثر ہوکر جلسے میں جانے کا فیصلہ کرتی ہے اور اُس رات آغا خان کے بارے میں اس کے فقرات ہی دراصل اس کے اور نعیم کے درمیان اختلافات کا باعث بنے ۔لیکن اس کے باوجود عذرا ایک ایسا بھرپور کردار ہے جو مشرقی روایات کی پاسداری کرکے وفا کی دیوی ثابت ہوتی ہے۔نعیم کو فالج ہونے کی خبر پر وہ فوراً دہلی سے گاؤں آجاتی ہے اور اس کی دیکھ بھال میں اپنا دن کا چین اور رات کی نیند قربان کر دیتی ہے۔اس کو دہلی لے جاتی ہے۔ڈاکٹر سے باقاعدہ علاج کرواتی ہے۔اس کو ورزش کرواتی ہے، سیر کے لیے لے کر جاتی ہے۔اس کے مطالبے پر روشن محل کو چھوڑ کر ائے کے مکان میں رہنے پر رضامند ہوجاتی ہے۔یوں عذرا کا کردار ایک جان دار اور زندہ رہنے والا کردار ہے۔

عبداللہ حُسین ناول میں اچھے منظر نگار کے طور پر بھی سامنے آئے ہیں ۔مصنف چونکہ خود پنجاب کے دیہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے اس لیے دیہی زندگی کو کافی جُزیات کے ساتھ بیان کیا ہے ۔دیہی زندگی کے مناظر اور دیہی زبان وبیان پیش کرنے میں عبداللہ حسین کامیاب رہے ہیں کسانوں پر زمین داروں اور اُن کے کارندوں کے ظلم وستم کو بہت ہی اچھے طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

ناول کا پس منظر دہلی اور پنجاب کی سرحد پر ایک گاؤں کا ہے جس کی آدھی آبادی پنجابی سکھوں اور آدھی اُردو بولنے والے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔عبداللہ حسین نے دیہی معاشرت کو بہت خوب صورتی سے بیان کیا ہے ۔دیہاتی کسانوں کی زندگی ،روز مرّہ کے معمولات ،باہمی لڑائی جھگڑے ،خاندان میں آپس کی رنجشیں،گھریلو زندگی،کھیت کے شب وروز ،کٹائی ،بوائی کی مصروفیات ،یار دوستوں کے معمولات ،کسانوں کے تعلقات ،ہندوستان کی آزادی اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے دیہی کسانوں کی بیداری جیسے موضوعات کی منظر کشی میں بڑی حد تک پختگی کا ثبوت دیا ہے۔

> ''نعیم نے چولہے پر سے پکی ہوئی مٹی توڑی،اسے ہاتھ میں ملا ،پھر اس میں کڑوا تیل،چھت کے کونے میں سے مکڑی کا جالا انگلی پر لپیٹ کر اتارا اور اس میں ملایا اور پھر اسی مقدار میں بیل کا گوبر اس میں ملا کر اس کی لئی بنائی ۔ یہ مرہم بیل کے زخم پر لگانیکے بعد اس نے اپنے فوجی تھیلے میں سے سفید پٹی نکالی اور باپ کی مدد سے اس پر باندھ دی۔''[۴]

اسی طرح سؤروں کے شکار کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''پہلے ہلّے میں صرف دو جانور رکے۔سوار پھیل کر دو حصوں میں بٹ گئے اور گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ،ریوڑ کے جنگل میں غائب ہونے سے پہلے ان کے آگے پہنچ کر انہیں واپس موڑ لائے ۔شکاریوں نے گڑھوں میں پانسہ پلٹ کر پوزیشن لی اور نیزے پیچھے سے آنے والے گلے کے سامنے کر دیے ۔جوگندر سنگھ کی سیدھ ایک سؤر آیا۔اُس نے دانت پیس کر نیزہ اس کے سینے میں جمادیا ۔ایک طاقت ور جھٹکے سے سینے کی سخت کھال ادھیڑتا ہوا شانے کی طرف بڑھا اور اپنے پیچھے سفید چربی کی لکیر ننگی کرتا ہوا باہر کو پھسل گیا۔سؤر تیزی سے آکر اس کے گڑھے میں گرا اور اس کی تیز کچیلی نے شکاری کی پشت پر چھ انچ لمبا گہرا گھاؤ لگا دیا۔جوگندر سنگھ کے منہ سے درد کی بلبلاہٹ اُٹھی''۔[۵]

جاگیرداروں اور اُن کے حواریوں کے مختلف ہتھکنڈوں کو کئی جگہوں پر بیان کیا گیا ہے ۔اسی طرح مزدوروں کے استحصال اور مزدوروں اور کسانوں کا اپنے حقوق اور آزادی کے لیے اُٹھنے میں در پیش مسائل کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔یہ کشمکش ناول پر اس دور میں پھلتے پھولتے اُن نظریات کا اظہار ہے جو روس میں مارکسزم کے زیرِ اثر پنپ رہے تھے اور روسی ادیب اِن نظریات کو پھیلانے میں مصروفِ عمل تھے۔جاگیردار طبقہ کسانوں کا استحصال کرنے لیے کوئی موقع نہیں گنواتا۔

''صرف ایک نوجوان لڑکا اُس کے پاس کھڑا رہ گیا تھا۔

''کیا بات ہے چچا؟'' نعیم نے پوچھا۔

موٹرانہ لینے آئے تھے'' احمد دین کی بجائے لڑکے نے جواب دیا۔

''موٹرانہ؟''

''روشن آغا نے موٹر خریدی ہے۔''

''پھر؟''

''ہمیں موٹرانہ دینا پڑتا ہے۔''

نعیم نے ہوا دیکھتے ہوئے لمبی سی ''ایں'' کی اور کچھ نہ سمجھ کر گھبرا گیا۔''ٹھہرو ٹھہرو، دیکھو،'' وہ لڑکے پر جھک کر بولا،''موٹرانہ کیا ہوتا ہے؟''

''زمین دار نے موٹر خریدی ہے۔ہمیں اناج دینا پڑتا ہے۔'' لڑکے نے کہا۔''کتنا؟''

یہ زمین کے حساب پر ہے۔میرے پاس بیس ایکڑ ہے اور یہ ایک جوڑی ہے۔ میں نے ایک دھڑی دیا ہے۔''

''روشن آغا کے حصے میں سے؟''

''نہیں اپنے حصے کا''

''کیوں؟''

لڑکا سٹپٹا گیا۔''بس۔ہم پر لازم ہے''[٦]

اور موٹرانہ نہ دینے کا جرم کتنا سنگین ہے۔تصور کرنا کتنا مشکل ہے۔اگلے دن احمد دین کو روشن آغا کے سامنے پیش کیا گیا۔'' احمد دین سحر زدہ سا آہستہ آہستہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کی نئی ابرق لگی سفید پگڑی کا شملہ سیدھا کھڑا تھا اور اُس نے لمبے لڑوں والا نیلا ریشمی تہمند باندھ رکھا تھا۔اس کے تیل ملے چہرے کی سیاہ جلد چمک رہی تھی۔''بیل کی طرح ''، منشی نے کڑک کر کہا اور دو نوجوان لڑکوں کی طرف دیکھا۔

لڑکوں نے اُٹھ کر اُس کی بغلوں میں ہاتھ دیے اور گھٹنوں کے بل گرا دیا۔ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر وہ چاروں ہاتھ پر ہو گیا۔منشی نے جھٹک کر اُس کی پگڑی اُتاری اور لڑکے کے ہاتھ میں دی۔''بیل کو رسی ڈالو'' اُس نے کہا۔لڑکے

نے پگڑی کا ایک سرا اُس کے گلے میں باندھا ،دوسرا ہاتھ میں پکڑ لیا ۔'' اس کے منہ میں چارہ دو ۔'' منشی نے کہا۔لڑکا خشک گھاس لا کر اُس کے منہ میں ٹھونسنے لگا ۔ ۷

دیہی زندگی کی قدرے بہتر منظر کشی کے برعکس عبداللہ حُسین دہلی کی شہری زندگی کو صرف نواب روشن کے گھر تک محدود رکھتے ہیں ۔دہلی کی اصل زندگی کو دکھانے سے وہ قاصر رہے ہیں اِس کمی کو پورا کرنے کے لیے وہ روشن محل کی ضیافتوں میں نامی گرامی افراد کو شامل کرتے ہیں اور اُن کی تصاویر کو دہلی کی شہری زندگی کے مناظر کے متبادل مناظر کے طور پر منظر کشی کرتے ہیں ۔جیسے معروف کانگریسی رہنما گوپال کرشن گوکھلے کی روشن محل میں آمد کے موقع پر کرتے ہیں ۔

'' انہوں نے پتلون کے اوپر بند گلے کا بڑے بڑے کالروں والا ہاف کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر ٹوپی لیے ہوئے تھے۔اس قسم کی ٹوپی نعیم نے کلکتے میں تلک کو بھی پہنے دیکھا تھا ،گلے میں لمبا سا مفلر تھا ۔سنہرے فریم کا چشمہ لگائے اکہرے جسم کا یہ آدمی خوب صورت کہلایا جا سکتا تھا ،گو بہت کمزور تھا ۔'' ۸

لیکن میدان میں جنگی منظر کو بیان کرنے میں عبداللہ حسین نے خاصی چابک دستی سے کام لیا ہے اگر چہ جنگی مناظر دوسروں سے سُنی ہوئی کہانیوں سے اخذ کردہ ہیں لیکن بیلجیم میں جنگی حکمتِ عملی کا ذکر کچھ اِس انداز میں کیا گیا جیسے یہ داستان موقع پر موجود کسی سپاہی نے لکھی ہو:

''نمبر 3 ڈبل کمپنی ، جو میجر ہمفری کی قیادت میں ہولی بیک کے سیکشن کی خندقوں پر قابض تھی ،آگے بڑھے گی اور چھ سو گز کا محاذ گھیر لے گی ۔نمبر 1 کمپنی کیپٹن ایڈیٹر کی کمان میں روز بک پر قبضہ کر لے گی اور جونہی نمبر 2 کمپنی ان کے برابر آ جائے ، چڑھائی شروع کر دے گی ۔کمپنی کے دائیں بازو کا رخ فارم کی طرف کنٹور 3 پر ہوگا ۔نمبر 3 کمپنی کے دو پلاٹون (کمپنی میکلین کی قیادت میں تھی)مشین گن سیکشن کے ہمراہ کیپٹن ڈل کی کمان میں اس فائر کی مدد کریں جو بازو کی طرف سے جارڈینز فارم کی خندقوں میں سے ہوگا۔نمبر 3 کمپنی (منفی 2 پلاٹون) اور نمبر 4 کمپنی جارڈینز فارم کے پیچھے ریزرو میں رہیں گی ۔'' ۹

نسلِ انسانی کا المیہ ہے کہ وہ امن وسکون سے زندگی گذارتے ہوئے یک دم درندوں سا انداز اختیار کر لیتی ہے۔باہمی احساس شناسائی بالکل ناپید ہو جاتا ہے ۔صرف ذہنی تسکین کی خاطر وہ اپنے کردار کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتا ہے۔

شاہد خان وہاب نے عبداللہ حسین کی منظر نگاری کی تعریف اس طرح کی ہے:

''میدانِ جنگ سے اس طرح کے متعدد مناظر اس میدان میں عبداللہ حسین کی مہارت کا ثبوت ہیں لیکن جو منظر نگاری اُنہوں نے تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کے مناظر کی کی ہے اُس کی مثال شاید اُردو فکشن میں کہیں نہ ملے ۔'' ۱۰

مہاجرین کے ساتھ عبداللہ حسین حملہ آوروں کے بدلتے رویے پر پردہ ڈالتے ہیں ۔

'' وہ مار مار کر اس قدر اُکتا چکے تھے کہ محض سڑک کے کنارے بیٹھے نئے قافلے کے خاموش، خوف زدہ کوچ سے ہی محظوظ ہوتے رہتے ۔'' ۱۱

قافلے والے جب کسی کیمپ میں رات گزارنے کے لیے ٹھہرتے اُن کے رویے پھر تبدیل ہوجاتے ہیں ۔

پھر منزل پر پہنچنے اور اپنی جان بچانے کے لیے وہ ہر چیز کو چھوڑ جانے پر تیار ہو جاتے ہیں ۔وہ سازو سامان جو وقت روانگی اُن کے لیے بہت قیمتی تھا اب بالکل بے وقعت ہو گیا تھا ۔

عبداللہ حسین ناول کا آغاز داستانی انداز میں ایک نا معلوم راوی کے واقعہ سنانے کے ذکر سے کرتے ہیں ۔ یہاں ہمیں کچھ واقعات کسی حد تک غیر حقیقی محسوس ہوتے ہیں ۔وہ عذرا اور نعیم کو ناول کے آغاز میں ہی ملنے کا موقع فراہم کرتے ہیں ۔یوں ایک محبت ،سیاست اورنفسیاتی کشمکش سے بھرپور کہانی شروع ہو جاتی ہے۔ ناول میں استعمال کردہ زبان کے بارے میں عبداللہ حسین خود کہتے ہیں۔

> ,,While writing the novel, I was consciou that it was taking a shape on novel in urdu ever had.That's why I made such a effort .I did not know anything about the literary world so at the time I was not sure whether somebody was going to publish this. Although I had read Urdu writers I did not take their language,I made mine up ,Iwas doubtful about whether it would be a success. In the end,I was lucky. I do believe that sucess does not have anything to do with talent .I still believe that it is timing.One does an ardinary thing and timing brings fame.However I do believe my novel had some genuine qualities. My style was fresh and it has stayed fresh since the novel has not been out of print in 35 years.This achievement came out of ignorance for i did not come out of any literary tradition [۱۲]

اگر چہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ ایک بڑا ناول ہے۔ ناول کی زبان ،محاورے اور روز مرّہ کے استعمال میں غلطیوں سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

صرف چند صفحات سے لی گئی مثالیں کافی ہیں ۔

۱۔ ''لونگ ،دارچینی اور الائچی میں پکے ہوئے چاولوں کی مقوی ،اشتہا اور خوشبو کا جھونکا آیا۔'' [۱۳]

۲۔ '' فائر کی خشک اور پٹاخے دار آواز دور تک پہاڑوں تک گونجتی چلی گئی ۔'' [۱۴]

۳۔ ''مکان جن پر چونے کی سفیدی کی گئی تھی۔'' [۱۵]

۴۔ '' مل کے دوسری طرف ایک اور ،نسبتاً اور مختصر بستی تھی ۔'' [۱۶]

۵۔ '' سودائی آنکھوں میں سہم گیا تھا ۔'' [۱۷]

محمد خالد اختر عبداللہ حسین کے اُس انداز کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کو اُنہوں نے ناول میں متعدد بار جنس کو پیش کیا ہے لیکن اظہارِ جنس کے لیے عبداللہ حسین کو الفاظ کے انتخاب میں مزید محنت کی ضرورت تھی۔

ناول میں مصنف بار بار مختلف کرداروں کی زبان کے ذریعے فلسفیانہ افکار کو پیش کرتا ہے ۔کبھی روشن محل کی پارٹی میں بڑے بڑے لوگ شامل کر کے فلسفہ بگھارا جارہا ہے تو کبھی نعیم کے علاج کے لیے آنے والے ڈاکٹر انصاری مصنف کے فلسفیانہ خیالات کو اپنی زبان سے ادا کرنے کی ذمہ داری سر انجام دیتے نظر آتے ہیں ۔کبھی مصنف انیس الرحمٰن کا روپ دھار لیتا ہے اور وزارتِ تعلیم کے دفاتر میں ،مچھلی کے شکار پر اور کبھی انیس الرحمٰن کے گھر پر فلسفے کی بھاری خوراکیں قارئین کے حلق سے نیچے اُتارتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر فاروق عثمان کہتے ہیں :

''اس ناول کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ یہ ناول ''ایک فرد'' کے دائرے سے نکل کر'' انسان'' کی سطح تک پہنچ ہی نہیں سکا ،،[۱۸]

ناول کے پلاٹ میں زمانی اور تاریخی نقائص بھی نظر آتے ہیں ۔ناول کے آغاز میں 16 ۔مئی 1913 کواتوار کا دن بتایا گیا ہے جب کہ اس دن اتوار نہ تھا بلکہ جمعتہ المبارک کا دن تھا ۔ 1857 ء کی جنگِ آزادی کے بعد بسنے والے گاؤں کی روایات بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں کوئی بہت زیادہ مستحکم نہیں ہوسکیں۔ وہاں بسنے والوں کی دوسری نسل ابھی موجود ہے لیکن ناول کے کردار کئی مواقع پر اُن روایات پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔عذرا کی نعیم سے شادی کے فیصلے کو اُس کی خالہ کہتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ روشن پور والوں کی لڑکیاں چھوٹے گھروں کے لڑکوں سے شادی کریں۔اسی طرح دہلی میں اس دور میں مسلم لیگ کا کوئی اجلاس دسمبر کے مہینے میں نہیں ہوا جس کی صدارت آغا خان سوّم نے کی ہو اور اس میں قائدِ اعظم ،اقبال اور علی برادران شامل ہوئے ہوں ۔دراصل یہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس تھا جو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے فوراً بعد اگلے دن منعقد ہوا۔اس میں مسلمانوں کی تقریباً سبھی بڑی جماعتوں نے شرکت کی تھی۔

اپنے ایک میں انٹر و یو میں انہوں نے بتایا کہ نہ تو اُن کے خاندان کو ہجرت کا دُکھ سہنا پڑا تھا نہ ہی اُنہیں میدانِ جنگ اور فوجیوں کی زندگی کے بارے میں کچھ علم تھا ۔وہ دہلوی معاشرت سے بھی واقفیت نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ دہلی کی اُس دور میں مُروجہ زبان کا علم رکھتے ہیں۔ وہ اِس ناول کی تیاری کے سلسلے میں بہت سے لوگوں سے ملے۔ وہ دور دراز کا سفر طے کر کے اُس آدمی سے بھی ملے جو پہلا ہندوستانی فوجی تھا جسے وکٹوریہ کراس ملا۔ ناول پر قرۃ العین کے اثرات بہت واضح ہیں ۔اگر چہ اپنے ایک انٹرویو میں عبداللہ حسین نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اُداس نسلیں سے پہلے انہوں نے اردو ادب کا خاصا مطالعہ کیا تھا لیکن وہ متاثر کسی سے نہیں ۔اگر دیانت دارانہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو ''آگ کا دریا'' کے اثرات بالکل واضح نظر آتے ہیں ۔''اُداس نسلیں'' کے نواب روشن کا گھر بالکل اسی اینگلو لکھنوی تہذیب کا مرکز نظر آتا ہے جو'' آگ کا دریا'' میں گلشن منزل اور سنگھاڑے والی کوٹھی میں نظر آتی ہے۔حتیٰ کہ بعض کرداروں کے نام تک مشترک ہیں۔ ہاں ایک فرق ہے کہ قرۃ العین کے ہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مخلوط محفلوں اور مرد وعورت کے جا بجا اختلاط کے باوجود ۔ بقول محمد خالد اختر:

''جنسی غدودوں کے بغیر بہت ہی اعلیٰ کردار کے حامل نظر آتی ہیں''[۱۹]

ناول کے اکثر کردار جن سے بھولے سے بھی کوئی ایسی لغزش سرزد نہیں ہوتی جو اُنہیں عام افراد ثابت کر سکے ۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں کہ:۔

''عبداللہ حسین اور ان کا طویل ناول'' اُداس نسلیں'' ایک عجوبہ سے کم نہیں جس کی ایک سطر بھی نہ چھپی تھی اور جو ہر لحاظ سے گمنام تھا، اس کا پہلا ناول ہی سپرہٹ ثابت ہوتا ہے۔عبداللہ حسین نے وسیع کینوس پر زندگی کا مشاہدہ کیا ہے۔''[۲۰]

'' اُداس نسلیں'' کے کردار ہوں یا دیہات کے مناظر،شہری زندگی کی ضیافتیں ہوں،سیاسی اجلاسوں میں زیر بحث آنے والے ملکی اور بین الاقوامی سیاسی و جنگی حالات و واقعات ہوں سب کی جزیات نگاری خوب ہے۔اظہار محبت،خودغرضی اور نفسانی خواہشات اور شادی بیاہ کے معاملات کی عکاسی میں عبداللہ حسین نے اپنی سی بھرپور فنی مہارت سے کی ہے۔مذکورہ حالات وحقائق کو ناول کی صورت پیش کرنے میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔یہ ان کی اوّلین کوشش تھی۔کمی بیشی تو ہر انسان میں ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ ناقدین نے ان کجیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔مجموعی طور پر عبداللہ حسین کی یہ فنکارانہ کاوش ہے جس کی کامیابی کی ایک دلیل اس ناول کا مسلسل اشاعت میں رہنا بھی ہے۔

حوالہ جات

1۔ ممتاز احمد خان ،ڈاکٹر، آزادی کے بعد اُردو ناول، ہیت،اسالیب اور رجحانات،انجمن ترقی اردو کراچی،1997ءص232

2۔ عبدالسلام ،ڈاکٹر، اُداس نسلیں ایک جائزہ ،مشمولہ''سیپ'' کراچی ،دسمبر،1983ء

3۔ محمد خالد اختر،عبداللہ حسین کی اُداس نسلیں ،مشمولہ'' فنون''اکتوبر،نومبر،1964ء

4۔ عبداللہ حسین، اُداس نسلیں ،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،2003ء ص151

5۔ محوّلہ بالا،ص153

6۔ محوّلہ بالا،ص150

7۔ محوّلہ بالا،ص155

8۔ محوّلہ بالا،ص 14

9۔ محوّلہ بالا،ص114

10۔ شاہد خان وہاب، اردو فکشن میں ہجرت ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی،2006ء،ص66

11۔ عبداللہ حسین، اُداس نسلیں ،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،2003ء۔ص508

12۔ http/www.urduweb.com مؤرخہ ۱۴،فروری،۲۰۱۵ء رات ۳۰۔۱۰ بجے

13۔ عبداللہ حسین، اُداس نسلیں ،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،2003ء۔ص 337

14۔ محوّلہ بالا،ص336

15۔ محوّلہ بالا،ص344

16۔ محوّلہ بالا،ص345

17۔ محوّلہ بالا،ص65

18۔ فاروق عثمان ڈاکٹر، اُردو ناول میں مسلم ثقافت ،بیکن بُکس ملتان،2002ء۔ص298

19۔ محمد خالد اختر،عبداللہ حسین کی اُداس نسلیں ،مشمولہ'' فنون''اکتوبر،نومبر،1964ء

20۔ سلیم اختر ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2009ء،ص597